التقریظ والانتقاد:

اُردو املا

ایک تنقیدی جائزہ

(۳)

از: جناب مولوی حفیظ الرحمان صاحب واصف دہلی

قبل ازیں ایک تنقیدی مقالہ کتاب "زبان اور قواعد" پر ہدیہ ناظرین کیا جا چکا ہے۔ بعض احباب نے اصرار فرمایا کہ "اردو املا" کو بھی دیکھو۔ میں نے کثرتِ مشاغل اور اپنی کوتاہ علمی کا بہت کچھ عذر پیش کیا مگر مسموع نہ ہوا۔ آخر یہ کسالا بھی برداشت کرنا پڑا۔ اس گراں قیمت کتاب کو بھی خریدنا پڑا۔ مطالعہ کیا اور مصنف علام کی وسعتِ مطالعہ، تحقیق و تلاش اور قابلیت کا دل سے اعتراف کیا۔ یہ کتاب بھی ترقی اردو بورڈ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف بھی رشید حسن خاں ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ مصنف سلمہٗ بہت سی جگہ اصل موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ بجائے اصلاح کے ایجاد و اختراع کی جھلک نمایاں ہے۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ عام دستور ہے کہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو بنائی جاتی ہے یا ایجاد کی جاتی ہے۔ ضرورت کے باوجود ایسا تو ہوتا ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک ہی چیز سے کئی کام لیتے رہتے ہیں اور مدتوں نئی چیز ایجاد نہیں کرتے لیکن ایسا شاذ و

نا ندری ہوتا ہوگا کہ بلا ضرورت کوئی چیز ایجاد کرلی جائے۔ یا کسی چیز یا مفہوم و مدلول کے وجود پذیر ہونے سے پہلے اس کا نام تجویز کرلیا جائے۔

کم حوصلہ مدرسوں، کم ہمت کاتبوں اور بے پروا اخبارات نے جو اردو املا اور زبان ومحاورات کی مٹی پلید کر رکھی ہے، بجائے اس کے کہ ان کو آگاہ کیا جاتا اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا جاتا خود ہی سرتسلیم خم کردیا۔ صحیح کو ہی غلط کرنا شروع کردیا اور متبادل مانوس اور فصیح کے موجود ہوتے ہوئے اجنبی نامانوس اور بھونڈے الفاظ ومحاورات اور طرق املا پیش کرنے شروع کردیئے۔

مندرجۂ ذیل محاورات دلی کی سڑکوں پر آج کل سننے جاتے ہیں۔

تمہاری کتاب اس نے میرے کو دیدی ہے۔ میں نے تیرے کو کچھ نہیں کہا۔ تمہارے کو معلوم ہونا چاہیے۔ اعلانچی کہتا ہے آج شام کو پانچ بجے جلسہ ہونے جارہا ہے۔ جلدی ہی اس بلڈنگ کی مرمت ہونے جارہی ہے۔ رک جا، میں بھی آتا ہوں۔

مدعیان ترقی اردو فرمائیں کہ کیا فصاحتِ زبان کی اس تباہی پر آپ کو آگاہی ہوئی ہے؟ کیا کوئی صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے؟

اب وہ لوگ تو جا سوئے جن کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور جن کے فرمودے کو سند مانا جاتا تھا ہم جیسے کم علم ان کی جگہ آگئے۔ بڑوں کی موت نے اب ہم پر یہ فرض عائد کردیا ہے کہ اس قسم کی بے راہ روی کی روک تھام کریں۔ لیکن ہم صرف رائے پیش کرسکتے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے۔ ہمارے پاس نہ وہبی شخصیت ہے نہ اقتدار۔

بہرحال اپنی فہم کے مطابق اپنے خیالات پیش کرتا ہوں۔

لکھاوٹ ۹

سید انشا نے بھی ایسے کچھ الفاظ اختراع فرمائے تھے۔ جماوٹ، گھلاوٹ، الجھاہٹ، ہمکاہٹ، شرماہٹ، الجھاوٹ وغیرہ۔ اسی قماش کا لکھاوٹ بھی نیا ایجاد ہوکر سامنے آیا ہے۔

لکھنا (مصدر) کے دو حاصل مصدر پہلے سے موجود ہیں۔ لکھائی اور لکھت۔ جو مفہوم آپ چاہتے ہیں وہ بھی ان میں موجود ہے۔ یعنی انداز تحریر، طرز کتابت، لفظوں کی لکھاوٹ، فصیح اور مانوس الفاظ کے ہوتے ہوئے اس ایجاد کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر ایک تیسرا لفظ بہت ہی عمدہ اصطلاحاً رائج ہے اور فصیح ہے، املا۔ جو آپ کے مفہوم (معنی مرادی) پر حاوی ہے اس کے ہوتے ہوئے لکھاوٹ کا لفظ کچھ خوبصورت نہیں معلوم ہوتا۔

غفلت مجرمانہ یا بنیادی کوتاہی

فن خطاطی اور اس کے قواعد ماہر اساتذہ نے بڑے غور و فکر اور فہم و ادراک سے وضع کیے ہیں۔ یہ صدیوں کے عملی تجربات ہیں۔ انگلیوں کے ریاض کو منطقی موشگافیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک باکمال مصور جو چہرے کی تصویر میں دلی جذبات تک کو کاغذ پر کھینچ لاتا ہے اگر اس نے قلم سے خوشنویسی کی مشق نہیں کی ہے تو موقلم سے وہ ایک دائرے اور ایک الف کی بھی صحیح تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

دنیا کی تمام زبانوں میں سے کسی زبان کا رسم الخط نستعلیق کی لطافت و نزاکت اور تناسب پیوندیدگی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چھوٹے چھوٹے شوشوں سے بڑے بڑے حرفوں کا کام لیا جاتا ہے۔ شوشوں کی نوک پلک اور وضع و ہیئت پر حسن خط کا مدار ہے۔ اگر شوشے غلط ہو گئے تو سارا حسن خاک میں مل گیا۔ سب سے بڑی بنیادی غلطی یہ ہے کہ شوشوں کی تعداد اور تناسب و ترتیب کی طرف سے سخت بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ اور اس کو املا کے مفہوم میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ شوشوں پر ہی نستعلیق کی اساس قائم ہے اور شوشے ہی املا کا جزو اعظم ہیں۔

ایک کڑوی بات بھی کہہ دوں (اور سچی بات کڑوی ہی ہوتی ہے) اس بے اعتنائی و غفلت کی ابتدا خود مصنفین سے ہی ہوتی ہے۔ وہ اس اہم اور بنیادی فرض کا ذمہ دار کاتب کو سمجھتے ہیں اور کاتب اپنی کم علمی کی وجہ سے معذور ہے۔ حالانکہ صحت املا خود مصنف کا اہم فریضہ ہے۔

اپنا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ میرے نزدیک اس کی اتنی اہمیت ہے کہ پرچہ امتحان کے جواب میں اگر طالب علم لفظ انتشار کو اس طرح (یعنی ایک مزید باریک شوشے سے) لکھ دے (دیکھو ص۱۶) تو اس کو جواب صحیح ہونے کی صورت میں پورے نمبر آپ تو دیں گے لیکن میں غلطی املا کے نمبر کاٹ لوں گا۔

زیر نظر کتاب جو املا کی اصلاح کے لئے تصنیف کی گئی ہے خود اسی کے صفحات پر اس اہم ترین اور بنیادی جزو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ ایک لفظ کا اگر ایک املا اختیار کر لیا تو وہی رہے۔ بلکہ ایک لفظ کی کئی کئی شکلیں کتاب میں بکھری پڑی ہیں۔ تغیر، تحیر، تعمیر، تعبیر، پیروی۔ وغیرہ، اس قسم کے الفاظ کو ایک باریک شوشے کے اضافے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ دیکھیے صفحات، ۱۴، ۲۳ - ۱۱ - ۱۰۵ - ۲۴ - ۸۷۔ یہ چند صفحات کا نمونہ ہے۔ تحفۃً، دفعتۃً، قسم کے الفاظ میں ہر جگہ ایک شوشہ بڑھایا گیا ہے۔ ایسی غلط نویسی ساری کتاب میں ہے۔

اور لیجیے۔ ایک ہی لفظ ایک ہی صفحے پر تین طرح لکھا ہوا ہے۔ لفظ تمیز بر وزن قدیر کو ایک شوشے کے اضافے سے تمیز لکھا ہے۔ پھر تمیز بروزن تقدیر کو بھی اسی طرح لکھا ہے یعنی مزید شوشہ نہیں لگایا، سابق شوشے پر ہمزہ لگا دیا۔ پھر اسی تمیز بروزن تقدیر کو ایک نئے انداز سے تمیز لکھا ہے۔ یعنی میم کے ساتھ پیالہ، اس کے بعد چھوٹا شوشہ، پھر (ز) سے پہلے موٹا شوشہ مگر اس ابتری کا شاید آپ کو کوئی گلہ نہیں۔

ہائے ہوز جہاں شروع میں آئی ہے اس کی گھنڈی غائب کر دی گئی ہے۔ ہندی ص۱۳ ذہن ص۱۹ ہٹ گئی ص۲۳ علیٰ ہذا القیاس بیشمار غلطیاں ہیں جن کا غلطہائے املا کے سوا اور کوئی نام نہیں۔

اب ہم کیا سمجھیں؟ ایک بہت بڑے وسیع اور ذمہ دار ادارے کی طرف سے شائع ہونے والی ایسی اہم کتاب جس کا موضوع ہی اصلاح املا ہو اس کا کاتب املا کی ابجد سے بھی واقف نہیں؟ کیا یہ کھیل بات ہے؟

یا یہ سمجھا جائے کہ ادارے کی طرف سے اس کو ایسی ہی ہدایات دی گئی ہیں کہ اس طرح لکھو۔ کیا بورڈ میں ایسی جزئیات کے متعلق کوئی تجویز پاس ہوئی ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ نستعلیق سے زیادہ حسین اور جامع صفاتِ حسنہ کسی زبان کا رسم الخط نہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ درحقیقت بھی یہی ہے لیکن ہماری غفلت شعاری کی بدولت جماعت ادنیٰ کے پنج سالہ بچوں سے لے کر سٹیڑی نشین کاتبوں تک اس کی جو گت بن رہی ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ بُرا کوئی رسم الخط نہیں۔ اور ڈیزائینروں نے آرٹ کے نام پر اس کو اور زیادہ خراب کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ شوشوں کا تناسب، تعداد، اور پیمائش وغیرہ تو فنِ خطاطی سے وابستہ ہے۔ ماضی میں قط والے واسطین قلم سے لکھا جاتا تھا۔ اس سے چھوٹے بڑے شوشے بنتے تھے۔ معمولی خط و کتابت اور حساب کتاب کے لیے بھی واسطین قلم استعمال کیا جاتا تھا۔ قلم کا قط ہی موٹائی اور فاصلہ وغیرہ ناپنے کا آلہ ہے۔ اب پنسل، بول پین اور فونٹن پین سے وہ بات کہاں پیدا کی جا سکتی ہے۔ اپنے قصور کو کاتب غریب کے سر ڈالنے کا یہ سب سے بڑھیا عذر ہے۔ اس عذر کی بنا پر شوشوں کی معرفت کو املا سے خارج سمجھ لیا گیا۔ میں پھر وہی بات کہوں گا کہ شوشے ہی املا کی بنیاد ہیں۔ بنیاد پہ کدال چلا دی تو عمارت کا گرنا لازمی ہے۔

اور یہ عذر کہ فونٹن پین سے شوشوں کی تعداد اور تناسب قائم نہیں رہ سکتا۔ میں باادب عرض کرتا ہوں کہ یہ عذر لنگ ہے۔ کچھ عرصہ ہوا ایک مختصری کتاب بنام "سہ لسانی مصدر نامہ" شائع ہوئی تھی شروع سے آخر تک پوری کتابت مصنف نے خود کی ہے۔ فونٹن پین سے قلم برداشتہ لکھی گئی ہے۔ بذریعہ آفسٹ طبع ہوئی ہے (اردو بازار میں ملتی ہے)

میرے کہنے سے برہمی کیا ہے ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

اس مشاہدے کے بعد پھر کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اگر خط شکست کو ذرا سنبھال کر لکھا جائے تو شوشوں کا تناسب بخوبی قائم رہ سکتا ہے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ ٹھیٹھ خط شکست خواہ کتنی ہی جلدی میں گھسیٹ کر لکھا جائے اس میں اگر آپ چاہیں گے تو یہ تناسب بخوبی قائم رہ سکتا ہے اور اگر آپ نہ چاہیں اور اس کو غیر ضروری سمجھیں تو واسطین قلم سے بھی قائم نہیں رہ سکتا

الف مقصورہ بشکل ی ص۵

عیسیٰ، موسیٰ، مصطفیٰ، مجتبیٰ، مرتضیٰ وغیرہ لکھتے ہوئے صدیاں گذر چکیں۔ قلم اس کا عادی ہو چکا نظر مانوس ہو چکی۔ اب کہا جاتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف سے لکھا جائے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں ایسی کیا دشواری تھی کہ اب یہ موجب وحشت اور غیر مانوس تبدیلی کی ضرورت پڑی۔ اور اب اس تبدیلی کے بعد کونسی آسانی پیدا ہو جائے گی۔

استثنا پہلے بھی تھا اور اب بھی استثنا کیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عربی ترکیبوں مثلاً اعلی اللہ مقامہ وغیرہ میں ی لکھنے کی اجازت ہے۔ حتی الامکان میں ی کی اجازت ہے۔ لیکن اگر حتی کے آگے کان بیانیہ ہو تو حتا کر لکھو۔ وغیرہ۔

یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ وہ عربی ترکیب ہے اور یہ فارسی۔ اگر پہلے کا موجب املا آپ کے نزدیک دماغی پراگندگی کا سبب تھا تو اب یہ انقلاب پہلے سے بہت زیادہ پراگندگی بلکہ وحشت کا موجب ہوگا۔ اور بہت سی خرابیوں کا سبب بنے گا۔ مثلاً ایک ادارے کا تاریخی نام "دار الہدی والوعظ" ہے اس کے اعداد (۱۲۶۸) ہیں۔ یہ اس کا سال تعمیر ہے۔ مورخ کا قلم جو اس نئے انقلاب کا خوگر ہو جائے گا اور اپنی تحریر میں اعلا، ادنا، مصطفا وغیرہ لکھے گا وہ یہاں دار الہدا لکھ دے گا۔ نادہ تاریخ غلط ہو جائے گا۔

قدیم خوبصورت اور حامل روایات الفاظ کی صورت تبدیل بھی بگاڑی جائے اور پھر بھی کلیہ نہ بن سکے تو انقلاب لانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ صدیوں سے سب جانتے ہیں کہ اردو میں ایک ایسا الف بھی ہے جو بشکل (ی) لکھا جاتا ہے اور کبھی صرف کھڑے زبر سے کام لیا جاتا ہے۔ مندرجۂ ذیل الفاظ پہلے سے مستثنیٰ ہیں۔

مصلیٰ، اسم ظرف ہے۔ اسم فاعل مصلّی بھی اردو میں بولا جاتا ہے۔ اشتباہ سے بچنے کے لئے اسم ظرف کو الف سے لکھا جاتا ہے۔

مربّیٰ، تربیت سے اسم مفعول ہے۔ اس کا اسم فاعل مربّی بھی اردو میں ہے۔ لہٰذا اسم مفعول کو الف سے لکھا جاتا ہے۔

مدعیٰ، ادّعا کا اسم مفعول ہے۔ اسم فاعل مدعی اردو میں رائج ہے۔ امتیاز کے لئے مدعا لکھا جاتا ہے۔

مصفّیٰ، تصفیہ کا اسم مفعول ہے۔ اسم فاعل مصفّی رائج ہے۔

مولیٰ، اگر کھڑا زیر لکھنے سے رہ جائے تو (مَ وْ لِ یْ) بھی پڑھا جا سکتا ہے اس لیے بعض لوگ الف سے لکھنے لگے۔

منادیٰ: ندا ء کا اسم مفعول ہے۔ اس کو الف سے منادا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لفظ اردو میں رائج نہیں ہے۔ اس کا اسم فاعل منادی حاصل مصدر کے طور پر رائج ہوگیا ہے محاورہ ہے "منادی ہوگئی"

ماجرا، تقاضا، تماشا، تمنا، تبرا، تولا، نجلا، معرّب ہو کر ہندوستان میں آگئے ہیں۔

مذکورہ بالا الفاظ کا استثنا معقول وجوہ کی بنا پر تھا۔

اضافت کی صورت میں چونکہ ایک (ے) کا اضافہ کیا جاتا ہے اس لئے (یٰ) کو الف کی شکل دے دی جاتی ہے تا کہ اجتماع یائین نہ ہو۔ یہ ایک ضرورت تھی اس دلیل سے اصل وضع و ہئیت کو نہیں بدلا جائے گا۔ دم عیسٰی، عیسٰی دم۔ ان میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

بعض ایسے الفاظ کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو عربی ترکیب میں استعمال ہوتے ہیں اور مشورہ دیا گیا ہے کہ ایسے الفاظ سے اجتناب کیا جائے مثلاً علی الحساب، علی الصباح، علی الترتیب، علی الاعلان، حتی الامکان، حتی المقدور وغیرہ۔ شاید یہ ذہن میں نہیں رہا کہ علی الحساب کا لفظ تو ان پڑھ عوام اور بنیے تک بولتے ہیں۔ اس کو قاعدے سے کیوں مستثنیٰ کیا گیا؟ ایسے ہی

بقیہ الفاظ بھی بہت رائج ہیں۔ ان الفاظ میں (ئی) لکھنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن تعالیٰ، مصطفیٰ وغیرہ کو مسخ کرنے کا حکم دیا گیا۔

ارشاد فرمایا ہے کہ حتی الامکان کے الفاظ سے پرہیز کرو اس کی جگہ بآسانی، امکان بھر، مقدور بھر لکھا جا سکتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ لکھنے میں کیوں؟ بولنے میں بھی پرہیز کیا جائے۔ یہ احسان بھی کیوں گوارا کیا جائے؟ سکت بھر کیوں نہ لکھا اور بولا جائے؟

بدرالدجیٰ، نورالہدیٰ، وغیرہ کیا عربی ترکیبیں نہیں ہیں؟ ان کو الف سے لکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ کیوں؟ کیا اسی طرح عیدالاضحا بھی الف سے لکھا جائے گا؟ اولیٰ کو اگر الف سے اولا لکھا جائے تو اس میں اور اُولا" یعنی ژالہ میں مابہ امتیاز کیا ہوگا؟۔

جس مقصد سے یہ کاٹ چھانٹ کی جا رہی ہے اور اس کو اصلاح کا نام دیا جا رہا ہے وہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اردو مصنفین اور شعرا کو انعامات بھی دیئے جائیں گے۔ خطبات صدارت میں اردو کی مٹھاس کی تعریف بھی کی جائے گی۔ مشاعرے بھی ہوتے رہیں گے۔ سیمینار بھی ہونگے اردو کے گانے بھی دلچسپی سے سنے جائیں گے۔ لیکن اردو بھارت کی سرکاری زبان نہیں بن سکتی اور خدا کرے نہ بنے۔ اگر بن گئی تو اس تراش خراش سے جو کچھ باقی بچے گا وہ بھی فنا ہو جائے گی۔

جب کسی کتاب کو جدید طباعت کے لئے ایڈٹ کیا جاتا ہے یا کسی کتاب میں سے کوئی اقتباس نقل کیا جاتا ہے تو یا تو خود مصنف کے طرز تحریر اور املا کو یا اُس عہد کے عام اور رائج املا کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً نقطہ یا نون کا جو املا مرزا غالب نے اختیار کیا ہے اگر ان کا شعر کہیں نقل کیا جائے تو اُسی املا کے مطابق لکھنا چاہیے۔ اس امر کو "اردو املا" میں نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ پرزور طریقے پر لکھا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ اسی کتاب میں جگہ جگہ اس منصفانہ قاعدے کی خلاف ورزی بھی کی گئی ہے۔

مثلاً ص۶۳ کے حاشیے میں انشا کا شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے :۔

یا بار الٰہ ! مصطفا کا صدقہ اولاد بتول و مرتضا کا صدقہ

یہ شعر کلیات انشا نولکشوری مطبوعہ دسمبر ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۳۸۹ پر ہے ۔ الہ کے لام پر مد ہے، کھڑا زبر نہیں ۔ اور نیچے شوشہ (جس کو لٹکن نام دیا گیا ہے) وہ بھی نہیں ہے ۔ مصطفےٰ مرتضےٰ میں الف مقصورہ بشکل (ے) لکھا ہے ۔ لیکن یہاں ناقل نے املا بدل کر اپنی مرضی کے مطابق لکھا ہے ۔ اور ذرا سی چوک سہو بھی ہو گئی ہے ۔ صدقہ کو اپنے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق الف سے نہیں لکھا ۔

رحمان، سلیمان، ابراہیم وغیرہ ص۶۱

اس تجویز سے کسی کو اختلاف نہیں ۔ پہلے ہی سے ان میں سے بہت سے الفاظ کو الف سے لکھا جاتا ہے ۔ مثلاً سلیمان کو سلیمن ، ابراہیم کو ابرہیم ، نجات کو نجوٰۃ ، حیات کو حیوٰۃ کوئی نہیں لکھتا ۔ لیکن صلاۃ ، زکاۃ ، مشکاۃ میں لمبی ت نہیں لکھی جا سکتی ۔ یہ الفاظ اصطلاحی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ہاں صلہ کی جمع صلات لمبی ت سے لکھی جائے گی ۔

قرآن کی آیات کو نقل کرنے وقت محتاط لوگ قرآن کو سامنے رکھتے ہیں ۔ محض یادداشت سے لکھنے میں قرآن کا مخصوص رسم الخط اکثر قائم نہیں رہتا ۔ یہ غفلت اور سہل انگاری جائز نہیں ۔ نظم قرآن کی طرح اس کے رسم الخط کی بھی پوری حفاظت کی گئی ہے ۔

اللہ ص۶۴-۶۵

لکھا گیا ہے کہ " لفظ اللہ کی کتابت اردو میں ایک خاص طرح ہوتی ہے کہ دوسرے لام کی جگہ ایک شوشہ سا بنا دیا جاتا ہے اس لفظ کی یہی رائج اور متعارف صورت ٹھیک ہے اور اس کو اسی طرح لکھنا چاہئے ۔"

اگر صرف اتنا لکھ دیا جاتا کہ لفظ اللہ کا مشہور و متعارف املا جو پہلے سے رائج ہے ۔

وہی قائم رہے گا" تو کافی تھا۔ لیکن جو تشریح کی گئی اور ہیئت بتائی گئی (اور بعینہ وہی ہیئت ساری کتاب میں اختیار کی گئی) وہ رائج اور متعارف صورت نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس میں بھی آپ نے املائی تصرف کر ڈالا۔

آپ کی طرح بعض اور مصلحین نے بھی اس لفظ کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ یہاں اصول خطاطی پر اصرار کیا جاتا ہے۔ ویسے خلاف ورزیاں اتنی عام ہیں کہ دیکھتے دیکھتے دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ شوشوں کی طرف سے بے پروائی و غفلت عام ہو چکی ہے۔ جس کی سیکڑوں مثالیں خود اسی کتاب "اردو املا" میں موجود ہیں۔

تحفتہ، دفعتہ، حقیقتہ وغیرہ کو تحفتہً، دفعتہً، حقیقتہً یعنی باضافہ شوشہ لکھنا۔ سا اور سنا کو یکساں لکھنا۔ (ب) کے ساتھ خط شکست کی طرح لمبی (ر) لگانا۔ ہند وغیرہ میں سے (ہ) کی گھنڈی اڑا دینا۔ بلاوجہ بلاضرورت اور بغیر حرف کے کشش کھینچنا۔ وغیرہ۔

فن خطاطی کے اصول و ضوابط کہیں یاد نہیں آتے۔ لیکن اسم ذات کو اصول کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے۔ یہ ہے نقطۂ کمال اصلاح املا کا۔ چونکہ اسم ذات مستجمع صفات کمالیہ ہے اس کی اصلاح بھی اصلاح املا کا نقطۂ کمال ہونا چاہیے۔

ہمارے ایک دوست بدرالحسن صاحب نے "صحت الفاظ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے اس کے صفحہ ۶۱ و ۶۲ پر اللہ کا عجیب و غریب املا اختیار کیا گیا ہے۔ :۔

کہا جاتا ہے کہ اس کا عام املا اصول کے خلاف ہے۔ دونوں لام تین تین قط کے ہوتے ہیں اور ہائے ہوز کا شوشہ اس کے ساتھ (بہ) کی شکل کا لگنا چاہیے۔ اللہ یعنی دونوں لام ایک موٹے پیالہ نما جوڑ کے ساتھ اور ہائے ہوز کا جوڑ بھی موٹا۔ قاعدہ اور اصول کے مطابق یہ شکل ہے اور اس کو اسی طرح لکھنا چاہیے۔

اب کتاب "اردو املا" میں ایک اور اجتہادی املا نظر آیا (دیکھو ص ۶۴ و ۶۵ و ۳۸۱ وغیرہ) تین قط کا لام اس کے ساتھ باریک شوشہ (جس کو مصنف نے شوشہ سا کہا ہے)

پھر پیالہ اور پیالے کے سر سے۔ (ہ) کا نشو نشہ بشکل (سر)

حیرت ہے کہ صدیوں کے بعد آج یہ سجھا تو کیوں ہے؟

اب میں اپنی معلومات کے مطابق اپنے خیالات عرض کرتا ہوں:۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں خط کوفی رائج تھا۔ کاتبان وحی نے اسی خط میں قرآن لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی نامہ ہائے مبارک اسی خط میں لکھے گئے۔ مقوقس اور ہرقل وغیرہ کے نام جو نامہ ہائے مبارک ہیں ان کے عکس کتب سیرۃ میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تالیف "بلاغ مبین" کے صفحہ ۱۵۰ پر بھی ایک عکس چھپا ہوا ہے۔ یہ تمام کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلفظ کیے ہوئے الفاظ کی ہے۔ یعنی حضور نے کلام الہٰی کو بول کر لکھوایا۔ دعوتی خطوط بول کر لکھوائے اور جو طرز کتابت حضور کے سامنے اختیار کیا گیا آج تک امت نے اس کی حفاظت کی ہے۔

نامہ ہائے مبارک کے اندر لفظ اللہ متعدد جگہ آیا ہے اس کا املا دیکھیے۔ دو لام اور تیسرا ڈنڈا جس کے ساتھ ہائے ہوز ہے تینوں کی لمبائی او نچائی برابر ہے۔

حضورؐ کے اُمی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو حرف شناسی بھی حاصل نہیں تھی۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ حضور نے اپنی زبان اقدس سے بول کر لکھوایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا لکھو من محمد رسول اللہ۔ قریش کے سفیر سہیل نے کہا ہم آپ کو رسول نہیں مانتے۔ آپ نے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے کہا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ (رسالت مآب ص ۲۷)

کیا روایت مذکورہ سے حرف شناسی ثابت نہیں ہوتی؟ غرضکہ اس لفظ کا املا وہی صحیح ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معرض وجود میں آیا، یا پہلے سے رائج تھا۔ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ لفظ اللہ کا اصل عربی املا جو پیغمبر کی نظر اقدس کے سامنے لکھا گیا وہی اردو میں

بھی رہنا چاہیے۔

خط نسخ کی ایجاد سے جب خط کوفی منسوخ ہوا تو اللہ کا املا حسب سابق رہا اور قرآن میں آج تک وہی موجود ہے۔ خط ثلث وغیرہ میں بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر خط نستعلیق جب میر علی تبریزی کی ہنرگاہ سے اپنی نوک پلک اور جوڑ پیوند کی نزاکتیں لے کر آیا تو اللہ کے املا کی امتیازی حیثیت قرار دی گئی جو فارسی رسم الخط میں آج تک موجود ہے۔ ہندوستان میں فارسی رسم الخط رائج ہوا یہاں بھی صدیوں سے اس کا املا وہی ہے۔ رائے اور فہم کا اختلاف جو ایک قدرتی امر ہے اس نے اسلام کے اندر بہت سے مذہبی فرقے تو بنا دیئے لیکن لفظ اللہ کے املا کے بارے میں کسی فرقے کے علما ادبا شعرا کی طرف سے کوئی اختلاف بروئے کار نہ آیا۔

اس کی شکل وصورت کیا ہے؟ ہمارے استاد مرحوم نے فرمایا تھا کہ اس کا لکھنا بہت آسان ہے پورے قط سے دو نقطے ملے ہوئے گہرائی دے کر پیالہ سا بنا دو۔ شروع میں ایک قط کا (ب) والا شوشہ لگا دو آخر میں ذرا سی نوک (ہ) کی کھینچ دو (یہ خیال رہے کہ ہ کا شوشہ ر کی شکل کا نہیں ہوگا) پھر بیچ والے شوشہ پر تشدید اور کھڑا زبر لگا دو۔

کہا جاتا ہے کہ نستعلیق میں اس لفظ کے تینوں ڈنڈے برابر کیوں نہیں رکھے گئے۔ پہلا اگر ایک قط کا رہا تو دوسرے دو کی صرف نوکیں رہ گئیں۔ جواب یہ ہے کہ تشدید اور کھڑے زبر کو اس صورت املا میں لازمی جزو املا قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ التزام بھی اس کی امتیازی شان ہے اور تاج شاہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے جگہ نکالی گئی ہے۔ اگر ڈنڈوں کے اوپر تشدید اور کھڑا زبر ہوتا ہے تو اونچائی زیادہ ہونے کی وجہ سے اوپر کی سطر سے ٹکراتا ہے۔

اب اس چودھویں صدی کے اختتام پر اس موزون متناسب حسین اور امتیازی صورت املا میں وہ کیا خرابی آپ کو نظر آئی جس کی وجہ سے ترمیم ضروری ہوگئی۔

ابلہ ص۹۸

ابلہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو سیدھا سادہ بھولا بھالا ہو جس میں چالاکی اور فطانت نہ ہو۔ احمق اور بے عقل مجازی معنی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے اکثر اھل الجنۃ بُلہٌ۔ ابلہ کی جمع بُلہٌ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہوں گے یا اکثر بھولے بھالے جنتی ہوتے ہیں۔

مشہور مصرع ہے۔ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔ یعنی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی، بھولا بھالا یا اناڑی ہوجاتا ہے۔ اس مصرعے کے اعداد ۱۳۴۶ھ ہیں۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کا سال وفات یہی ہے ابلہ کے معنی احمق سمجھنا غلطی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث اور مصرع میں یہ معنی مراد نہیں۔ اس میں طنز کا کوئی پہلو نہیں۔

لام تعریف ص۱۰۳

ہم جس کو الف لام کہتے ہیں یہ دراصل حرف لام ہے۔ جو معرفہ بنانے کے لئے نکرہ اسموں کے شروع میں آتا ہے۔ اس کو لام تعریف کہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔ چونکہ ابتدا بسکون عربوں کے نزدیک محال ہے اس لئے لفظ مفرد میں اس سے پہلے الف مفتوح بڑھاتے ہیں جیسے قدیر۔ القدیر۔ یہ الف وصل ہے اس کی بالکل وہی حیثیت ہے جو لفظ اسکول اور اسٹیشن کے الف کی ہے۔ جو ہم نے آسانی تلفظ کے لئے بڑھایا ہے۔

عربی میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ ایسے لفظ کے شروع میں آکر ملے گا تو الف کا کام ختم ہوجائے گا۔ یعنی تلفظ میں سے خارج ہو جائے گا۔ لیکن کتابت میں باقی رہے گا۔ عبدالقدیر میں الف نہیں پڑھا جاتا۔ لام تعریف اگر تلفظ میں سے خارج ہوجائے تو اسم پھر نکرہ ہوجائیگا حروف شمسی لام کے قریب المخرج حروف ہیں۔ تو جن لفظوں میں پہلا کوئی حرفِ شمسی ہے ان میں لام تعریف کو اس حرف سے بدل کر ادغام کردیتے ہیں۔ اس صورت میں لام کے بجائے اس حرف کا تلفظ ہوتا ہے۔ کتابت میں الف لام دونوں باقی رہتے ہیں۔ مثلاً شمس الدین کا تلفظ یہ ہے:۔ (شَم سُد دِی نْ) ایک دال لام تعریف کے بدلے میں آئی ہے۔

الف اور ہائے مختفی ص۸

فارسی اور اُردو میں بعض حروف ہجا کی کئی شکلیں ہیں ۔ مثلاً س ، ـسـ ۔ ہ ، ھ ۔ ی ، ے ۔ عربی میں بھی علی ہذا القیاس بعض حروف کی مختلف شکلیں ہیں ۔ مثلاً ب ، ت ، ة ۔ د ، ر ۔ ك ، ک ۔ م ، ہ ۔ ہ ، ھ ۔ ی ، ے ۔

عربی میں ت کے تلفظ کی دو حالتیں ہیں ۔ ایک وہ جس کا تلفظ نہیں بدلتا وہ لمبی لکھی جاتی ہے آیات ، صدقات ، بینات ، اوقات ، اثبات وغیرہ ۔ دوسری وہ جو حالتِ وقف میں ہائے ہوز کا تلفظ اختیار کر لیتی ہے اور گول لکھی جاتی ہے ۔ جیسے راضیةً مرضیةً ، واقعةٌ ۔

جب اس کو ساکن کیا جاتا ہے تو صرف اس کا تلفظ ہائے ہوز کے تلفظ سے تبدیل ہو جاتا ہے ۔ مگر کتابت میں اس کی شکل بھی بدستور رہتی ہے اور دو نقطے اور تنوین بھی قائم رہتی ہے ۔ قرآن میں آگے آیت کہہ کر وقف کرنا بتایا جاتا ہے ۔ قرآن میں بھی اور عربی کی عام کتابوں میں بھی املا مدور ہی رہتا ہے اور نقطے بھی لکھے جاتے ہیں ۔ امتیاز کے لئے مستقل ت کو لمبی شکل میں لکھتے ہیں اور تلفظ بدلنے والی کو ہائے مدور کی شکل میں لکھ کر دو نقطے لگا دیتے ہیں ۔

اہل فارس نے تائے مدور والے الفاظ کے دونوں تلفظ قائم کر کے معنی میں بھی تنوع پیدا کیا اور اس سے زبان میں وسعت اور حسن بڑھ گیا ۔ احمد بہمن یار کا جو اقتباس کتاب میں منقول ہے اس میں وہ اس تصرف کو حسنِ تصرف اور استفادۂ لطیف کے الفاظ سے ذکر کرتا ہے ۔ مثلاً :-

مراجعت ، بازگشت از مکان ۔ مراجعہ ، رجوع باشخاص واغیار ۔ ارادت اخلاص ومحبت ۔ ارادہ ، خواستن وقصد کردن ۔ اقامت ، ماندن وتوقف

کردن - اقامہ، برپائے داشتن - نوبت، دفعہ و بار - نوبہ، تپ مخصوص - رسالت، پیغام و پیام بردن - رسالہ، کتاب و نامہ -

اُردو میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جیسے :-

اِرادت، مُریدانہ خلوص و محبت - ارادہ، قصد و نیت - عقیدت، مریدانہ خلوص و احترام - عقیدہ، راسخ و مضبوط - رسالت، پیغمبری - رسالہ، کتاب مکتوب - جلوت، مجلس نشینی - جلوہ، نمود حسن - فطرت، نیچر و پیدائش - فطرۂ صدقۂ فطر - رذالت، کمینگی - رذالہ، کمینہ - طریقت، سلوک و ریاضت - طریقہ، راستہ و طرز - زلت، لغزش - زلہ، گری ہوئی چیز جیسے روٹی کا بھورا - کتابت، لکھنا - کتابہ، کتبہ - کسالت، ہلکے کام کو بھاری سمجھنا اور کاہلی کرنا - کسالہ، سختی و دشواری -

آوہ وغیرہ ص۹

مندرجۂ ذیل الفاظ کو الف سے لکھنا ہرگز درست نہیں ہے -

آوہا - خالص فارسی لفظ ہے - معنی وغیرہ میں کوئی تصرف نہیں ہوا (آصف اللغات)

ادلہا - دراصل عربی لفظ عضلہ ہے - ایسے پٹھے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ گوشت شامل ہو - جس کو اردو میں مچھلی کہتے ہیں - یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے ہودہ اور ہودی کہ دراصل حوضہ تھا - نشانی کے طور پر کم از کم ہائے مختفی کو باقی رہنا چاہیے -

آسا - کو ہائے مختفی سے لکھتے ہوئے صدیاں گذر گئیں - صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کی اصل جو لکھی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس کی ہائے ہوز سین سے تبدیل ہوئی ہے لہٰذا جزو مادہ ہے - فارسی والے بھی بہائے مختفی لکھتے ہیں - سکوں پر بھی ہمیشہ سے اسی طرح لکھا جاتا رہا ہے - پھر اس میں اور آنا مصدر میں مابہ الامتیاز یہی ہائے مختفی ہے -

بٹہ۔ آلاتِ وزن کے معنی میں بہائے مختفی اور اصطلاحِ حساب کے معنی میں بروزن وفا بالف لکھنا چاہیے۔

بچارا پڑھے لکھے لوگ بے چارہ بولتے ہیں۔ فارسی لفظ ہے۔

بپتسما۔ اس کا انگریزی تلفظ BAPTISM ہے۔ اس کو اردو میں اصطباغ اور فارسی میں تعمید کہتے ہیں۔ آخر میں نہ الف ہے نہ ہائے مختفی۔ الف سے کیوں لکھا جائے اور ہائے مختفی سے کیوں لکھا جائے؟ کوئی وجہ ترجیح ہونی چاہیے۔

بلویٰ۔ عربی لفظ ہے۔ دو طرح ہے۔ بلویٰ بروزن مولٰی۔ بلوۃ بروزن فطرۃ۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسرے لفظ میں اردو والوں نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے یعنی کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا ہے۔ بلویٰ اور بلوہ دونوں طرح لکھ سکتے ہیں لیکن الف سے لکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

برآمدہ۔ فارسی لفظ ہے۔ اردو میں آکر اصل پر قائم ہے۔ قصداً غلط لکھ کر (یعنی مد کو حذف کرکے) الف سے لکھنے کا حکم دینا موجبِ حیرت ہے۔

پیسہ، روپیہ۔ ان دونوں کا قدیم املا صدیوں سے بہائے مختفی چلا آرہا ہے۔ قلم اور نظر اسی سے آشنا ہے۔ شاہی زمانے کے سکے۔ اور فرامین و دستاویزات۔ برطانیہ کے اور اب جمہوریۂ ہند کے نوٹوں اور سکوں پر آج تک وہی املا چلا آرہا ہے۔ اب اس کو بدلنے کی وجہ؟ آپ نے جو ضرب المثل پیش کی ہے۔ اپنی گانٹھ نہ ہو پیسا تو پرایا آسرا کیسا۔ صوتی قافیہ ہے اور اس بارے میں اپنی رائے کسی دوسری جگہ ظاہر کرچکا ہوں کہ الفاظ کا املا نہیں بدلنا چاہیے۔ جن لوگوں نے ہم آواز حروف مثلاً نماز و لحاظ یا اساس و خاص وغیرہ کے قوافی کو جائز سمجھا انھوں نے بھی املا کو نہیں بدلا۔ میری یہی رائے ہے کہ جدا کے قافیے میں صلہ، گلہ آتے تو صلہ گلہ کو الف سے نہیں لکھنا چاہیے۔

پیجامہ - یہ کوئی سنجیدہ لوگوں کا تلفظ نہیں ہے - پاجامہ یا پائجامہ ہے - الف سے لکھنے کا کوئی جواز نہیں -

تکیہ عربی لفظ ہے کچھ بھی معنی ہوں الف سے نہیں لکھا جائے گا -

خاکہ - فارسی لفظ ہے - ہائے مختفی فارسی میں نسبت کے لیے بھی آتی ہے - جیسے دوآبہ دو پانیوں والا - پنج شاخہ ، پانچ شاخوں والا - دو سالہ ، دو سال کا - خاکہ کے معنی خاک والا ، یعنی وہ شبیہ یا کاپی جو ایک خاص طریقے سے حاصل کی گئی ہو - کسی نقشے یا تحریر وغیرہ کو دوسرے کاغذ پر اُتارنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ اصل کی آؤٹ لائن پر سوئی سے قریب قریب سوراخ کر کے اس کاغذ کو دوسرے کاغذ پر رکھتے تھے اور مٹی وغیرہ ایک پوٹلی میں بھر کر اس پر پھیر دیتے تھے - سوراخوں میں سے مٹی چھن کر نیچے والے کاغذ پر گرتی تھی - پھر اوپر والا کاغذ ہٹا کر آؤٹ لائن کھینچ لیتے تھے - دوسرا طریقہ چربہ اُتارنے کا بعینہ ایسا ہی تھا جیسا آج کل کاربن پیپر کا ہے -

خاکہ کے ایک اور معنی بھی ہیں - ایسی چیزیں جو ڈلی کی صورت میں آتی ہیں جیسے کتھا ، کھانے کا چونا ، پھٹکری ، ابرک وغیرہ - ان چیزوں کا باریک چورا جو آٹے کی طرح نیچے باقی رہ جاتا ہے (وہ سستا بھی مل جاتا ہے) اس کو خاکہ کہتے ہیں - خاکہ اُڑا دینا ، رُسوا کر دینے کے معنی میں یہ لفظ اس معنی کے لحاظ سے جزو محاورہ بنا ہے - گرد کی طرح اُڑا دینا بے حقیقت کر دینا ، رُسوا کرنے کا بھی یہی مفہوم ہے صاحبِ فرہنگِ آصفیہ نے یہ معنی بھی نہیں لکھے اور دونوں محاوروں کو بھی گڈمڈ کر دیا -

خیلا - بفتح اول - خیلا خبطی ، خیلا خبطن - دہلی میں یہ محاورہ رائج ہے - اس کے معنی ہیں پھوہڑ ، بدسلیقہ لاابالی ، نیم دیوانہ جس کو اپنے کپڑے سنبھالنے کی پروا نہ ہو - اِس کی اصل عربی ہے - خَیعَلَہ بے آستین کا کرتہ پہننا - اردو میں کثرتِ استعمال اور اصل کو فراموش کرنے کی وجہ سے عین حذف ہو گیا - اور لفظ مُورد ہو گیا اس کو الف سے ہی لکھنا چاہیے - (باقی آئندہ)